''دل گداز'' میں شرر کی تبصرہ نگاری

ڈاکٹر محمد امین خاور، صدر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج کامونکی، گوجرانوالہ

Abstract

Abdul haleem sharar was a versatile writer. Through "dilgudaz" he earned fame in essay and novel writing. Besides this he reviewed his contemporary literary books. His reviews include the important books of his time and general books. Sharar wrote reviews on all generes of literature, biographies, auto biographier, translations, scientific publications, poetry and criticism. So to say all fields were covered in his reviews. This essay covers sharar's review writing and concludes that Sharar not only promoted urdu literature but also opened up new horizons/directions through his review writing.

اُردو ادب میں عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰ء ۔ ۱۹۲۶ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں قدرت نے انہیں کرشماتی قلم سے نوازہ تھا۔ وہ جتنے عظیم تاریخی ناول نگار تھے اُتنے ہی بلند پایہ تبصرہ نویس بھی۔ ۱۸۸۷ء میں ''دلگداز'' کا اجراء سے اُس وقت تک تبصرہ نویسی کی دُنیا میں اشہب قلم دُھڑاتے رہے جب تک کہ فرشتہ اجل نے اُن کے ہاتھ سے قلم نہیں چھینا۔ اُس عہد میں ''دلگداز'' کو ملک کے قرب و جوار میں نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اِس پرچے کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ اِس میں معاصرین کی نگارشات پر بے لاگ تبصرہ شایع کیے جاتے تھے۔ جس میں شرر مختلف قلم کاروں کی تحریروں کے محاسن و معائب کو موضوع بناتے۔ اِس سے نہ صرف شائقین علم و ادب شعور و آگاہی کی منزلوں کو چھوتے بلکہ صاحبِ تصنیف بھی راہبر و راہنمائی کے اصول اخذ کرتے۔ تبصرے کا بنیادی مقصد صرف کتاب کی تشہیر ہی نہیں بلکہ اِس میں پائی جانے والی کوتاہیوں کی نشاندہی بھی ہوتا ہے۔ شرر کے تبصروں میں ہمیں اِس امر کے اشارے ملتے ہیں کہ تبصرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ وسیع المطالعہ موضوع سے شناسائی اور غیر جانبداری جیسے اوصاف کا مالک ہو۔ اِس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''کامیاب تبصرہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ تبصرہ نگار کا مطالعہ وسیع ہو۔ خصوصاً وہ زیر تبصرہ کتاب کے موضوع سے ہمہ پہلو واقفیت رکھنے کے ساتھ تنقیدی بصیرت بھی رکھتا ہو اور کامل غیر جانب داری کے ساتھ معروضی نقطہ نظر سے کتاب کے متعلق اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کرے۔ اچھے مبصر، بعض اوقات صاحبِ کتاب کے ساتھ کتاب کے مندرجات کا اجمالی تعارف کراتے ہیں۔ مصنف کے پیش کردہ نئے نکات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں کہ زیر تبصرہ کتاب اسی موضوع پر موجود دیگر کتابوں میں کس اعتبار سے خوش گوار اضافے کی حیثیت رکھتی ہے یا محض اس میں گھسی پٹی باتوں کا اعادہ ہے''[۱]

یہ حقیقت ہے کہ شرر کے زمانے میں جہاں اُردو شاعری قدم جما چکی تھی وہاں اُردو نثر بھی روز افزوں ترقی کی جانب گامزن تھی۔ مختلف ادبی رسائل ادب کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہے تھے۔ ''تہذیب الاخلاق'' اور ''دلگداز'' کہنے کو تو ادبی رسائل تھے لیکن سر سید احمد خاں اور شرر اِن کے ذریعے برصغیر کی عوام میں شعور اُجاگر کرنے اور عوام الناس کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی بھرپور کاوش کر رہے تھے۔ اِن تبصروں میں ہمیں موضوعات کی رنگارنگی نظر آتی ہے۔ سب سے پہلے اُن رسائل کا ذکر کیا جاتا ہے جو ''دلگداز'' کے مختلف پرچوں میں بطور تبصرہ شایع ہوئے۔

''مخزن'' اس عہد کا مشہور و معروف ادبی پرچہ تھا۔ شرر اپنے مشہور پرچے ''دلگداز'' (مارچ ۱۹۰۱ء ص ۱۷۔۱۸) میں لکھتے ہیں: ''قابل قدر اور مفید و مہذب رسالے کا بڑے شوق سے انتظار تھا۔ ہمارے کرم فرما شیخ عبدالقادر نے اس کی زینت و آرائش میں پوری لیاقت سے کام لیا ہے۔ اس رسالے میں شیخ محمد اقبال کی نظم ''ہمالہ'' بھی چھپی ہے۔'' ''زبان دہلی'' کے ایڈیٹر کے لیے دعائیہ کلمات کا اظہار (دلگداز، ستمبر ۱۹۰۸ء، ص ۱۶) میں یوں ملتا ہے کہ: ''اُردو کا پہلا منبع و مرکز دہلی کا قلعہ معلیٰ تھا اس رسالے میں اسی مناسبت سے قلعہ کا پھاٹک لوح پر بنایا گیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت مائل کو اس رسالے کی کامیابی پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ یہ رسالہ ترقی کرے''۔ ''ادیب'' کے تین کامیاب شمارے شایع ہونے پر شرر ''دلگداز'' (اپریل ۱۹۱۰ء ص ۱۴) میں اُردو کے اس عہد میں شایع ہونے والے پرچوں پر فوقیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: یہ رسالہ انڈین پریس آلہ آباد سے منشی نوبت رائے نے جاری کیا تھا۔ شرر کے خیال میں یہ رسالہ مختلف حیثیتوں سے اُردو کے تمام رسالوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس وقت تک ''ادیب'' کے تین نمبر شایع ہو چکے تھے۔ خواجہ حسن نظامی کا پرچہ ''نظام المشائخ'' تصوف کے موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ ''دلگداز'' (ستمبر ۱۹۱۰ء، ص ۲۳) میں شرر کا کہنا ہے کہ ''ہر مسلمان کو اس رسالہ کی خریداری کرنی چاہیے۔'' ''دلگداز'' نومبر ۱۹۱۳ء کے پرچے میں شرر ''نقاد'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہ رسالہ ایسی آب و تاب اور ایسی خوبی و رعنائی کے ساتھ نکل رہا ہے کہ اسے دیکھ کر جی چاہتا ہے ہماری زبان اُردو بھی ایسی ہی ترقی یافتہ اور عالیشان ہوتی جیسا یہ رسالہ ہے...... اُردو خواں پبلک کا فرض ہے کہ اس کی قدر کرے''۔ ''رسالہ اُردو'' مولوی عبدالحق کی زیرادارت ترقی کے منزلیں طے کر رہا تھا شرر نے مولوی عبدالحق کو اُردو کا سب سے بڑا محسن و مربی قرار دیا۔ انھوں نے مزید لکھا کہ انجمن ترقی اُردو کی طرف سے مولوی عبدالحق نے اعلیٰ درجے کی مستند و قابل قدر کتابیں شایع کیں کہ ہماری زبان ان کے بار احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مولوی صاحب کے اس رسالے میں ایسے قابل و نامور محققین کے مضامین ہوتے ہیں جیسے مضامین آج تک شاید ہی کسی رسالے میں شایع ہوئے ہوں۔

اُردو ادب میں سیرت نگاری اور سوانح عمری کا موضوع خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس عہد میں سیرت سوانح کے موضوع پر شرر نے دل کھول کر لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ''دلگداز'' میں شرر نے جن سیرت و سوانح کی کتب کو اپنے تبصروں کے لیے منتخب کیا ذیل کی سطور میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (نومبر ۱۹۸۸ء ص ۱۷۳) کے پرچے میں شبلی کی ''المامون'' کے بارے میں فاضل تبصرہ نگار کا یہ انداز ملاحظہ فرمائیں: ''نہ شاید مولوی شبلی کا یہ دعویٰ ہوگا اور نہ میں تسلیم کروں گا کہ وہ عیوب سے پاک ہے مگر ہم میں اور ان میں صرف اس قدر فرق ہے کہ وہ ہماری غلطیوں کو جانتے ہیں اور ہم ان کی غلطیوں کو نہیں پا سکتے''۔ (مئی ۱۹۱۰ء ص ۱۸۔۱۹) کے پرچے میں الطاف حسین حالی کی شہرہ آفاق تصنیف ''حیات جاوید'' کے بارے میں شرر اپنے افکار کا اظہار

ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''بعض نکتہ چین کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے سرسید مرحوم کو تاریخ کے سبجیکٹ سے بڑھا کے ایک ناول کا ہیرو بنا دیا ہے مگر ہمیں شکایت نہیں۔ اوّل تو ہمارے خیال میں مصنف نے اتنا مبالغہ ہی نہیں کیا ہے جتنا کہ بیان کیا جاتا ہے اور اگر بالفرض ہے بھی تو کیا مضائقہ ہے؟ اس لیے کہ اس آخری دور کے مسلمانوں میں دراصل صرف سرسید ہی ایک ایسے شخص تھے جو تاریخ کے سبجیکٹ سے بڑھا کر ناول کے ہیرو بنائے جا سکتے ہیں''۔ بے لاگ تبصرہ نگاری کی دُنیا میں شرر کا نمایاں مقام ہے۔ اچھی تحریر پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں لیکن ''تعصب'' کو ایک نظر بھی پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی ایسی تصنیف زیرِ تبصرہ ہوتی تو کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔ مثلاً لالہ اگھورناتھ سہائی ہیڈ ماسٹر دیال سنگھ ہائی اسکول لاہور کی کتاب ''خاتونانِ ہند'' میں ۲۸ مشہور مسلم و ہندو عورتوں کے حالات درج ہیں۔ (جنوری ۱۹۱۰ء ص ۱۵) کے پرچے میں شرر نے مصنف کی جانبداری پر گرفت کی ہے لکھتے ہیں ''تاریخ میں تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے تاریخ لکھنا بڑے تحقیق کا کام ہے۔ ہندوستان کا زمانہ ایسا نہیں کہ اس میں اس قسم کی تالیفات بے سوچے سمجھے شایع کیے جائیں۔ نیاز فتح پوری نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی قلم بند کیے تو شرر نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا کیونکہ اس میں جس قدر تفصیل آ سکتی تھی اُس کا عشرِ عشیر بھی نہ تھا۔ شرر لکھتے ہیں اب اس کام کو سید سلیمان ندوی نے اپنے ذمہ لیے ہے وہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''افسوس حضرت عائشہؓ کی سی یکتائے عالم خاتون کے حالات لکھنے میں جیسی محنت اور جیسا اہتمام ہونے کی ضرورت تھی اور جس تحقیق و اسناد کے ساتھ لکھنے کی ضرورت تھی وہ بات اس میں بالکل نہیں ہے حضرت صدیقہؓ کے جس قدر مفصل حالات اسلامی لٹریچر میں موجود ہیں دُنیا کی کسی خاتون کے نہیں مل سکتے حضرت عائشہؓ کی نہایت ہی شاندار سیرت ہونی چاہیے۔ مولانا محمد سلیمان ندوی نے اس کام کو اپنے ذمے لیا ہے اور امید ہے کہ وہ البتہ دُنیا کو دکھا سکیں گے کہ حضرت صدیقہ کیسی فقیہہ و کیسی عالمہ و فاضلہ اور کیسی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ تاہم اس مختصر لائف کو بھی ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''[۲]

مولانا شبلی نعمانی کی وفات کے چھے برس بعد سید سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی پہلی جلد شایع کی۔ شبلی نعمانی نے آخری عمر میں ''سیرت النبی'' پر کافی کام کیا لیکن زندگی نے وفا نہ کی شبلی نعمانی کی جتنی بھی کتابیں شایع ہوتی تھیں شرر اُن کی تعریف و توصیف کرتے تھے لیکن ''سیرت النبی'' پر اُنھیں کچھ تحفظات بھی تھے۔ کیونکہ انھیں دنوں شرر نے بھی حضورؐ کی زندگی پر ''خاتم المرسلین'' کے عنوان کے تحت اپنے رسالے ''مورّخ'' میں اکتوبر ۱۹۱۰ء سے دسمبر ۱۹۱۸ء تک مضمون شایع ہو رہے تھے۔ ان مضامین کو ۱۹۱۹ء میں کتابی صورت میں بھی شایع کیا۔ شرر کا خیال تھا کہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی کتاب پہلی کتابوں کی طرح لاجواب ہوگی اور ہے بھی لیکن شرر نے (مئی ۱۹۱۸ء، ص ۱۰۸۔۱۰۹) میں اپنے اس ریویو میں ''سیرت النبی'' کے بارے لکھتے ہیں۔ ''مولانا شبلی نعمانی نے دیباچے میں ایک مقام پر بتایا ہے کہ سیرت ابن ہشام کے تمام راویوں کی مصنف مرحوم نے کتب رجال میں سے تخریج کی ہے یہ ایک ایسی کوشش ہے کہ جس کو دیکھ کر ہم بے انتہا خوش ہوئے تھے اس لیے کہ واقعہ اس کی حد سے زیادہ ضرورت ہے اور بغیر اس کے فن سیرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی مگر افسوس واقعات تک بیان میں ہمیں کسی جگہ پتہ نہیں چلتا کہ اسناد کی تحقیق کرنے کے بعد کون سی روایات بے اعتبار سیرت ضعیف روایات ترک اور کون سی بل لحاظ صحت روایات اختیار کی گئی

ہیں............حقیقت یہ ہے کہ مولانا شبلی مورخ ہیں محدث نہیں۔ مورخین حال کی شان یہ ہے کہ تاریخ کی روایتوں کا فیصلہ اپنے قیاس سے کرتے ہیں............سیرت النبی میں یہ لاجواب اور بے مثل کتاب ہے اس سے گو علما کو فائدہ نہ پہنچے گا مگر انگریزی داں پبلک اور کالج کے نوجوان طلبہ کو بے انتہا فائدہ پہنچے گا۔

''دلگداز'' میں شرر کے تبصرہ جاتی سرمایہ میں جو چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ تراجم پر تبصرے ہیں۔ اس عہد میں شرر (جنوری ۱۸۸۸ء،ص ۱۶) نے مترجمین کی حوصلہ افزائی کی اس طرح بہت سی دیگر زبانوں کا ادب اُردو میں منتقل ہوا۔ اس ضمن میں شیکسپیئر کے ناول ''رومیو جولیٹ'' کا ترجمہ ''فیروز گلنار'' کے نام سے منشی جوالا پرشاد نے کیا تھا۔شرر کے مطابق ''اس میں عشق کی اُمنگ، جوانی کی ترنگ کا پورا چربہ دکھایا گیا ہے''۔ اسی طرح مذکورہ بالا پرچے میں شیکسپیئر کے پلے ''ہملٹ'' کا ترجمہ ''جہانگیر'' کے نام سے منشی محمد امتیاز علی نے کیا شرر لکھتے ہیں ''میرے خیال میں کوئی ترجمہ اس حدتک ہماری مادری زبان کے سانچے میں نہ ڈھل سکا ہوگا جس قدر یہ ترجمہ ڈھل گیا''۔ حکیم ابوالفرج کی عربی کتاب جس میں حکمائے یونان کے کلمات حکمت کو مولانا سید عبدالغنی نے اُردو میں ''اخلاق انسانیہ'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ شرر لکھتے ہیں (اکتوبر ۱۹۰۶ء،ص ۱۵) کہ مصنف نے عربی کی اصل کتاب کا نام نہیں دیا صرف ترجمے کا ذکر کر کے لکھتے ہیں ''مصر کے فاضل مصطفےٰ قبانی دمشقی نے اصل کتاب کا ایک پرانا کرم خوردہ نسخہ تلاش کر کے چھپوایا جو ہندوستان میں پہلے پہل شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کے پاس آیا۔ اُس سے فاضل مترجم کے ہاتھ لگا اور اُنھوں نے محض ملکی لٹریچر کی خدمت گزاری کے خیال سے فصیح اور بے تکلف اُردو میں ترجمہ کر کے شایع کردیا'' آ ہنری وڑ کے ناول ایسٹ لائنیر (East lynne) کا ترجمہ خجستہ اختر بانو سہروردیہ نے کیا۔ (مارچ ۱۹۱۱ء ص ۲۲-۲۳) کے پرچے میں شرر لکھتے ہیں ''یہ پہلی مسلمان خاتون ہیں جو تصنیف وتالیف کی دُنیا میں آئی ہیں۔ اُردو زبان کے شائقین کو اس کی قدر کرنی چاہیے اس کتاب کو کلکتہ یونیورسٹی کی کولیشن کے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا گیا ہے۔

تحقیقی کتب اُردو ادب میں خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہیں کیونکہ اس کے بغیر محقق کا کام ادھورا رہتا ہے۔ شرر کا عہد اس لحاظ سے اُردو ادب کا ایک سنہری باب ہے اس عہد میں لاتعداد تحقیقی وتاریخی کتب تصنیف ہوئی جو آج بھی ایک حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شرر نے ''دلگداز'' کے پرچوں میں دل کھول کر ایسی کتب کی پذیرائی کی۔ تصنیف ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' کے پرچے میں ریویو لکھتے ہوئے (اگست ۱۸۸۸ء،ص۱۱۲) مسلمانوں کو اُن کے شان دار ماضی یاد کرانے کے لیے اس سے بہترین کوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔ اہل اسلام ضرور منگواس ورنہ پچھتائیں گے۔ اگست ۱۹۰۴ء میں سرسید کی کتاب ''آثار الصنادید'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لوگوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ اس میں نیچریت کی کوئی بات نہیں ہے سیدھی سادی عبارت میں دہلی کی تاریخ اور اُس کی عمارتوں کے حالات ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ جیسا درد اِن کھنڈروں کو دیکھ کر سرسید کے دل میں پیدا ہوا ہوگا ویسا ہی اُن لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوگا جو اس کتاب کو عبرت کی نگاہ سے دیکھ کر پڑھیں گے۔ اسی طرح اپریل ۱۹۱۰ء میں مولانا شبلی نعمانی کی ''شعر العجم (حصہ اوّل و دوم)'' کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''اگر تاریخ لکھنے والے اپنے فن کو اچھے سلیقے سے ترتیب دے سکیں تو مورخین کو اپنی کساد بازاری کی شکایت نہ باقی رہے اور اُن کی کتابیں بھی ہر گروہ اور طبقہ میں دلچسپی کی نظر سے دیکھی جانے لگیں''۔

اگر ''دلگداز'' کو اُردو ادب کا ترجمان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چونکہ اس میں سوانحی اور تحقیقی ادب کے علاوہ تخلیقی

نگارشات کو بھی موضوع تبصرہ بنایا گیا۔ جن کی افادیت نہ صرف اس عہد میں نمایاں تھی۔ بلکہ آج بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ادب کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ مثلاً ''مسدس حالی'' مولانا الطاف حسین کی مشہور نظم ہے۔ اپریل ۱۹۱۰ء کے پرچے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس نظم میں یہ خوبی ہے کہ دوسو دفعہ پڑھ جایئے اور جی چاہتا ہے کہ پھر پڑھیے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ اس کی مقبولیت معجزہ ہے۔'' ''خمخانہ سرور'' جو منشی درگاسہاے جہاں آبادی کی نظموں کا مجموعہ ہے جب شایع ہوا تو شرر نے (اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۲۴) اس کی صرف ابواب بندی کا ذکر کیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء کے پرچے میں ''دیوان پروین'' جو ام مشتاق بڑی بیگم پروین حاجی میر قربان مرحوم ممبر کونسل ریاست جے پور کی کا دیوان ہے۔ اس میں پروین کے حالات زندگی اُن کی غزلیں، رباعیاں، مخمس، قطعات، قصائد و مراثی اور تاریخیں پھر اُن کے بعد فارسی غزلیں شامل ہیں۔ شرر کے دور کے جدید الخیال شعرا اکبر، شبلی، حالی اور اقبال جیسے کل ۴۶ مقبول شاعروں کی معرکہ آرا نظمیں جمع کر کے اظہر دہلوی نے شایع کیں۔ اگست ۱۹۱۶ء کے دلگداز میں شرر کا خیال ہے ''ایسی نظمیں قوم کے ہر مسلمان لڑکے اور لڑکی کے ہاتھ میں ہونی چائیں''۔ ''دلگداز'' میں شعراء کے کلام ہی کو تبصروں میں شامل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اُن کی دیگر تصانیف کو بھی زیرِ بحث لایا جاتا تھا۔ مثلاً جون ۱۹۱۹ء کے پرچے میں لکھا ہے کہ مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی نے ایک سلسلہ ''تذکرہ الشعرا'' شروع کیا تھا۔ جو کسی وجہ سے تعطل کا شکار ہو گیا۔ شرر نے اس ریویو میں خوش خبری دی ہے کہ عوام پہلی جلد زوق وشوق سے دیکھ چکے ہیں اب اس کی دوسری جلد شروع ہوئی ہے۔ اسی طرح جولائی ۱۹۱۹ء میں شرر نے لکھا ہے کہ مولانا حسرت موہانی کے دیوان جلد اوّل، دوم، سوم اور چہارم کی بہترین غزلوں کا مجموعہ ہے جس میں تازہ کلام بھی شامل ہے اور اسے خود شاعر نے انتخاب کیا ہے۔

''مثنوی گلزارِنسیم'' پر شرر کا تبصرہ تمام ریویو سے زیادہ طویل ہے۔ یہ تبصرہ ''دلگداز'' مارچ، اپریل اور جولائی ۱۹۰۵ء کے شماروں میں شایع ہوا۔ شرر نے اس ریویو میں چکبست کی مرتبہ مثنوی میں امانت، خلل اور رند جیسے شاعروں پر اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اس مثنوی میں بھی کچھ اغلاط ہیں۔ اور ان اغلاط کی نشان دہی بھی کی۔ چکبست کے علاوہ دوسرے رسائل واخبارات میں بھی یہ بحث شروع ہوگئی۔ مرزا محمد شفیع نے مختلف رسائل سے بہت سی تحریروں کو ایک مجموعے میں ''مباحثہ گلزارِنسیم یعنی چکبست وشرر'' کے عنوان سے کشور پریس لکھنو سے شایع کیا۔ مرتب نے اس کے مقدمے میں دعویٰ کیا ہے کہ ''گلزارِنسیم'' کے خلاف اور موافق جس قدر سنجیدہ مضامین مولوی شرر اور چکبست کی بحث کے سلسلے میں شایع ہوئے ہیں وہ سب اس مجموعے میں شایع کر دیئے گئے لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے ''معرکہ چکبست وشرر'' میں ان مضامین کو یکجا و مرتب کیا گیا ہے جن کا جھکاؤ چکبست کی طرف ہے۔ شرر کا نقط نظر صرف خود ان کے تین مضامین سے واضح ہوتا ہے مولانا شرر کی حمایت میں جو متعدد مضامین لکھے گئے تھے وہ ''معرکہ چکبست وشرر'' میں شامل نہیں۔''[۳] اس معرکہ میں شرر کا ریویو مدلل تھا لیکن منشی سجاد حسین کی شرکت نے اس میں مزید تلخی پیدا کر دی۔ منشی سجاد حسین کے قلم سے نہ تو سر سید محفوظ رہے اور نہ ہی حالی جیسے ادیب، ''اودھ پنچ'' کے لکھنے والوں نے اس پر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ شرر نے اس بحث سے کنارہ کشی اختیار کر لی کیونکہ ان کا مقصد تو اُردو ادب کی خدمت تھا نہ کہ بحث مباحثہ اس بحث سے علمی فوائد بھی ہوئے کہ جو خامیاں اور خوبیاں مثنوی ''گلزارِنسیم'' اور ''سحر البیان'' میں تھیں وہ سامنے آ گئیں۔

انسانی فطرت ہے وہ دوسروں کی تعریف کرنے کی بجائے اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے۔ خاص طور پر ادب میں کم ہی

ادیبوں کو یہ ہمت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی لکھی ہوئی تحریر کی تعریف کریں۔شرر نے اپنے دور کے تقریباً تمام رسائل، ناول، ادبی اور غیر ادبی تحریریں لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔شرر کے زمانے میں ناول ایک نئی ادبی صنف تھی جس طرح طبقہ قدیم جدید دور کی چیزوں کو اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے بلکہ اس کے خلاف بذرگانہ فتوی بھی عطا کر دیتا ہے۔ یہی حال اُردو ناول کا بھی تھا۔شرر نے جب تاریخی ناول نگاری شروع کی تو ان پر بھی اعتراضات ہوئے۔انھوں نے اعتراضات کو سرسید کی طرح پس پشت ڈال کر اُردو ناول کو پروان چڑھانے کا بیڑا اُٹھایا جس میں نئے لکھنے والوں کو اُردو ناول لکھنے اور چھاپنے کی پیش کش کی۔''دلگداز'' میں لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان میں ایک عجیب حالت پیدا ہوگئی ایک طرف تو اکثر حضرات جو اصلاح قوم کے دعوے دار ہیں کہتے ہیں اور غل مچاتے ہیں کہ نوجوان ناولوں کا مطالعہ کر کے خراب ہوئے جاتے ہیں۔ یہ نہایت ہی ناپاک کتابیں ہیں۔ ان کو پھینک دو۔ جلا دو یا دریا میں بہا دو اگرچہ یہ مشورہ بالکل غلط ہے کیونکہ ناول خوشگواری کے ساتھ تاریخی اور علمی واقفیت پیدا کر دیتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں مگر ایسی شان سے کہ نصیحت نہ معلوم ہو...... ناولوں کی تجارت روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے۔ کیونکہ دل بہلانے کے لیے انسان جس قسم کی انشا پردازی چاہتا ہے وہ سوائے ناولوں کے اور کسی جگہ مل ہی نہیں سکتی۔ فی الحال ہم چند لوگوں نے مل کر تاجرانہ اصول پر ایک ایجنسی کھولی ہے جو ناولوں کو اور ان کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی مفید و کار آمد اور علمی کتابوں کو چھاپ کر ملک کے سامنے پیش کرے گی۔ اس ایجنسی کا سرمایہ بیس ہزار تجویز کیا گیا ہے اور سوسو روپیہ کے حصہ مقرر کر دیے ہیں......جن صاحبوں کو اُردو انشا پردازی سے ہمدردی ہے وہ بجائے اس کے کہ ہماری کوئی خاص مدد کریں یا کسی خاص کتاب اور تصنیف میں اعانت کرنے کا بار اپنے سر لیں مناسب ہوگا کہ اس کمپنی کا ایک حصہ مول لے لیں اگر یہ کمپنی آپ کی اعانت سے قائم ہوگئی اور پورے حصے فروخت ہوگئے تو پھر ملک دیکھے گا کہ اُردو زبان کو کیسی مدد ملتی ہے اور چند روز میں کیسی کیسی پیش بہا کتابیں آپ کی مادری زبان کے خزانے میں پیدا ہو جاتی ہیں۔''[۴]

انیسویں صدی کے آخر میں اور بیسویں صدی کے آغاز میں اُردو ادب میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ روز افزوں ترقی کرتا جا رہا تھا۔ لکھنے اور پڑھنے والوں کا حلقہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا ہر مہینے کسی نہ کسی نئے مصنف کی کتاب شرر کے پاس تبصرے کے لیے آتی رہتی تھیں۔شرر مروت میں آ کر ان کتابوں پر محتاط انداز میں تبصرہ بھی کر دیا کرتے تھے۔لیکن کسی کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس گروہ سے چند ادیب بھی سامنے آ گئے تو اُردو کی ترقی کا پہیہ چلتا رہے گا۔ ایسے ادیبوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔''یہ امر افسوس کے قابل ہے اور ترقی کی امیدوں کو بہت بعید کر دیتا ہے لیکن ہم یہی سمجھ کر دل کو تسلی دیتے ہیں کہ یہ تازہ مشق خادمانِ قوم و ملت بعد کی کوششوں میں شاید کوئی ہیرا تراش سکیں۔''[۵] حاجی علیم الدین مصنف ناول ''عصمت'' نے ایک اور ناول ''کمندِ گیسو'' لکھا جو کسی انگریزی ناول کا ترجمہ ہے۔شرر نے انگریزی ناول کا نام نہیں لکھا۔ (ستمبر ۱۹۰۰ء، ص ۱۸) لکھتے ہیں'' اس ناول میں خفیہ پولیس کی وہ حیرت انگیز کامیابیاں دکھائی گئی ہیں جو نازنین فرانس کے ذریعے سے حاصل ہوئیں بہت مزے دار اور پر لطف ناول ہے۔'' (ستمبر ۱۹۰۰ء، ص ۱۸) میں شرر نے لکھا ہے کہ امیر مینائی کے

شاگرد منشی محمد ضمیر حسن دل نے یہ ناول ''درد دل'' بڑی لیاقت فصاحت سے لکھا ہے۔ اس ناول میں علیم اور اس کی محبوبہ کا دلچسپ عاشقانہ واقع درج ہے۔ ''نیلی چھتری'' مولوی ظفر علی عمر ڈپٹی سپرسنڈنٹ پولیس کی علمی وادبی کاوش ہے۔ اس ناول کے پلاٹ میں انھوں نے بہ حیثیت ایک پولیس آفیسر کی اعلیٰ طباعی وز کاوت کا ثبوت دیا ہے۔ واقعی یہ نہایت ہی دلچسپ اور پسندیدہ ناول ہے بقول شرر (جنوری ۱۹۱۰ء، ص ۲۳) ''شروع کرنے کی دیر ہے پھر انسان ختم کیے بغیر نہیں رہ سکتا''۔ ابوالاثر بہزاد نے ''اسرار سیرت انسانیہ'' کے نام سے نادلوں کا ایک سلسلہ جاری کیا تھا۔ جس کا پہلا ناول ''سعیدہ کے خطوط'' تھا۔ اس ناول میں سعیدہ اپنے خطوط میں جوز کیہ کے نام ہیں اپنے حالات بیان کرتی ہے۔ شرر کو شاید ناول کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ نومبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں تنقیدی انداز اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''پہلا خط تو ڈیرز کیہ'' کے القاب سے شروع ہوا ہے باقی تمام خطوط میں القاب وآداب کی مطلق ضرورت نہیں سمجھی گئی معلوم نہیں یہ بی سعیدہ کی سیرت وجبلت ہے یا اُنھوں نے اپنی بہنوں کو اس بے تکلفی کے اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ ہمارا خیال نہ تھا کہ ''ڈیر'' کا لفظ پردے میں بیٹھنے والیوں میں بھی پہنچ گیا ہے''۔

مندرجہ بالا بحث کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ تبصرہ نگاری ایک ایسا فن ہے جس میں موضوع کی کوئی قید نہیں کسی بھی تخلیق، تالیف یا فن پارے کو موضوع بنایا جا سکتا ہے اور وہ مذکورہ تصنیف فکری وفنی محاسن ومصائب کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ایک مبصر کے لیے ضروری ہے کہ وہ فطری رجحان کا مالک اور فن پارے کے محاسن وعیوب کا ادراک رکھتا ہو۔ زبان و بیان پر عبور کے علاوہ قوت فیصلہ کا بھی مالک ہو۔ غیر جانبداری، فنی تقاضوں سے شناسائی اور قوانین تبصرہ کے رموز سے بخوبی واقف ہو۔ اُردو ادب میں عبدالحلیم شرر ایک ایسا نام ہے جیسے قدرت نے ان اوصاف سے مالا مال کیا تھا۔ جب ہم ''دلگداز'' کا مطالعہ کرتے ہیں یا اس کے کسی بھی پرچے کو تنقیدی و تحقیقی نظر سے پرکھتے ہیں تو ان کے تبصروں میں موضوعات کی رنگا رنگی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ شرر نے اپنے عہد کے معروف ادبی رسائل پر شاندار تبصرے لکھ کر اُردو ادب کے فن تبصرہ نگاری میں اپنا نام پیدا کیا۔ ''مخزن''، ''زبان دہلی''، ''تہذیب الاخلاق'' اور ''رسالہ اُردو'' اس امر کی زندہ مثالیں ہیں۔ سیرت وسوانح نگاری کے موضوع پر لکھی گئی کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے نہ صرف اغلاط کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ تصحیح کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ انہوں نے حالؔی، شبلؔی، لالہ رگھوناتھ سہائے، مولانا حسن، مولانا عبدالرزاق، نیاز فتح پوری، ملک محمد دین کی لکھی ہوئی سوانحی کتب پر شرر کے تبصرے ادب کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ شرر تاریخی اغلاط کی نشاندہی ہی نہیں کرتے بلکہ دلائل سے درست حقائق بیان کر کے قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔ ترجمہ نگاری ایک دقیق فن ہے جس طرح ترجمہ کرتے ہوئے اصول ترجمہ نگاری کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مبصر کو ان تمام اصول وضوابط کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ شرر کا زور قلم اس وقت اپنا کمال دکھاتا ہے جب وہ اس کی فنی باریکیوں میں ڈوب کر اصل حقائق قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شرر نے منشی جوالا پرشاد، منشی محمد امتیاز علی، سید عبدالغنی، اختر بانو اور دیگر مترجمین کے تراجم پر دھیما لب ولہجہ اور رائے زنی میں محتاط انداز اپنایا ہے اور اس ادا سے پتے کی باتیں کی ہیں جس سے معمولی ادب ذوق رکھنے والا قاری ہر نقطہ اور فنی باریکی باآسانی سمجھ سکتا ہے۔ جب ہم ''دلگداز'' کے مختلف پرچوں کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ان میں تحقیقی کتب پر بھی تبصرے ملتے ہیں۔ ایسی تصانیف پر شرر کا رویہ محتاط ہوتا ہے۔ ''آثار الصنادید''، ''شعر العجم'' اور ''مقالات سرسید'' جیسی ضخیم وحوالہ جاتی کتب اسی زمرے میں شامل ہیں۔ اس نوعیت کی کتب میں شرر نے اپنے وسیع مطالعہ کی بدولت تحقیقی حقائق کی صحت وعدم صحت پر خصوصی توجہ دی

ہے لیکن یہ حقیقت عیاں ہے کہ تحقیق میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی اس میں اختلاف کی گنجائش موجود رہتی ہے اصناف نظم ونثر میں شعروشاعری کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔''دلگداز'' کے پرچوں میں شعروشاعری پر مبنی کتب پر تبصرے ملتے ہیں مثلاً ''خمخانہ سرور''، ''مسدس حالی'' اور''دیوان حسرت موہانی'' یہ تبصرے جہاں قاری کو سامانِ تفریح مہیا کرتے ہیں وہاں شعراء کو اپنے اندر احساس ذمہ داری بیدار کرنے کی تحریک بھی پیدا کرتے ہیں۔اسی طرح لسانیات،قواعد، گرائمر اور لغت نویسی پر شرر کے تبصرے متعلقہ موضوع پر لکھی گئی کتب کو پرکھنے اور سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔عبدالحلیم شرر کا کمال یہ ہے کہ اسلامی کتب پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو وہ حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔خواہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو حق سچ کی بات بانگ دُہل کرتے ہیں کیونکہ وہ تو معاشرے کی اصلاح چاہتے تھے اور اس حقیقت کو انہوں نے اپنے تاریخی ناولوں میں بھی اُجاگر کیا ہے شرر کا یہ تنقیدی انداز نہ صرف مصنف بلکہ مستقبل کے لکھاریوں کو بھی تنبیہہ کرتا ہے۔شرر کا اصل میدان تاریخی ناول نگاری ہے۔ وہ ناول نگاری کی فنی وفکری باریکیوں پر نظر رکھتے تھے اس لیے جب کسی ناول پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو ان کے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں اور خوبیوں خامیوں کو بے دریغ بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔جس سے قاری نہ صرف لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ شرر کی فنی وفکری بلندیوں کو بھی سلام پیش کرتا ہے۔منشی محمد ضمیر حسین، مولوی ظفر علی عمر، اور ابوا الاثر بہزاد کے ناولوں پر تبصرے اس امر کی زندہ مثال ہیں۔متفرق موضوعات،''مبادی سائنس'' حکمت کے موضوع پر لکھی گئی تصنیف ''الشافی'' مختلف ''مجموعہ ہائے خطوط'' فن موسیقی اور سفر ناموں پر شرر کے بے لاگ تبصرے قاری کو وطیرہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔المختصر ''دلگداز'' کے مختلف پرچوں میں شایع ہونے والا شرر کا تبصرہ جاتی سرمایہ، اُردو ادب کا انمول خزانہ ہے جو نہ صرف شائقین وقارئین ادب کی معلومات میں اضافے کا سبب بنے گا بلکہ مستقبل میں میدان تحقیق کے شناورں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

حواشی:

۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،''اصناف ادب''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۲ء،ص:۱۸۲

۲۔ شرر،عبدالحلیم،''دلگداز''، شمارہ مارچ ۱۹۱۱ء،ص:۲۳

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر،''تاریخ ادب اُردو' (جلدسوم)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۶ء،ص: ۹۲۸

۴۔ شرر،عبدالحلیم، دلگداز، شمارہ فروی ۱۹۰۱ء،ص: ۹۔۱۰

۵۔ ایضاً، شمارہ ستمبر۱۸۹۷ء،ص:۱۶